© rasailojaraid.com

# حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## ''خلافتِ جمہور'': پاپولزم کی جانب شفٹ

گزشتہ دو اڑھائی ماہ کے دوران وطن عزیز پاکستان کی تاریخ میں چند اہم واقعات ہوئے ہیں جن کے سیاسی، معاشرتی، دینی اور علمی اعتبار سے متضمنات نہایت اہم ہیں۔ ان میں سے کچھ کے پس منظر میں راقم درج ذیل سطور طالب علمانہ انداز میں تحریر کر رہا ہے۔ قارئین کے ذہن میں اواخر جولائی میں قومی اسمبلی کے انتخابات، تبدیلی کا نعرہ بعنوان ''نیا پاکستان''، دینی جماعتوں کا انتخابی اتحاد اور ان کے لیے الیکشن میں مایوس کن نتائج، تحریک انصاف کی کامیابی، مرکز اور دو صوبوں میں PTI کی حکومت اور وزیر اعظم عمران خان کی افتتاحی تقریر میں ریاستِ مدینہ کا حوالہ اور اس کے مطابق ریاستی سطح پر تبدیلی کا اظہارِ عزم ابھی تازہ ہوں گے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پاکستان کے خلاف اسلام دشمن قوتیں ہر وقت مصروفِ عمل رہتی ہیں۔ اس کا اظہار نئی حکومت کے آتے ہی حسبِ سابق پورے زور شور سے ہوا۔ قانون تحفظ ختمِ نبوّت کی مخالفت اور اس کی تنسیخ اسلام دشمن قوتوں کا ترجیحی ایجنڈا رہا ہے۔ لہٰذا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے اقتصادی مشاورتی کمیٹی میں ایک معروف قادیانی اکانومسٹ کو مشیر مقرر کرنا خفیہ سازشوں کا حصہ تھا۔ وزیر اعظم عمران خان کی حکومت نے عوامی احتجاج پر بروقت فیصلہ کر کے اس قادیانی مشیر کو ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ الحمدللہ اس ملک میں عقیدہ ختم نبوت پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور حکومت وقت نے بھی اپنے آپ کو عوام الناس کی نظروں میں مشکوک نہیں ہونے دیا۔ اگرچہ ہمارے قومی اور عالمی پریس میں لادین سیکولر کالم نویسوں اور دانشوروں نے اس پر ناک بھوں چڑھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

قومی الیکشن میں نتائج کے حوالے سے ہماری دلچسپی بالعموم دینی سیاسی جماعتوں اور بالخصوص جماعت اسلامی سے ہے، کیونکہ سوائے جماعت اسلامی کے باقی تمام جماعتیں اور گروپس بہرحال کسی نہ کسی درجے میں فرقہ واریت پر مبنی ہیں اور کسی خاص فقہی وکلامی مسلک کو فروغ دینا ان کے پیش نظر ہے، اور بالعموم وہ دیگر مسالک اور مشارب کے خلاف نفرت اور تعصب رکھتی ہیں۔ ثانیاً جماعت اسلامی کے ممبران اور کارکنان میں اکثریت تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کی ہے جو عصرِ حاضر میں غلبہ اسلام کے حوالے سے متوازن سوچ اور عصری تقاضوں کا شعور رکھتے ہیں۔ ان کے اذہان کی اسلامی تنویر اور اخلاق وعمل کی تطہیر مولانا مودودیؒ کے گہرے قرآنی فکر اور جدید عمرانی علوم پر نقد وتبصرہ سے عمل میں آئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا مودودیؒ اور مولانا اصلاحیؒ اور



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت کے دوسرے اہل قلم و دانش نے مغرب کے الحادی فکر و تہذیب پر علمی تنقید کے ذریعے عالَمِ اسلام کے پڑھے لکھے نوجوانوں میں حمیت دینی اور اسلام سے وابستگی کو فروغ دیا ہے۔ اور جماعت دعوتی و تحریکی عمل کی آٹھ دہائیوں پر مشتمل ایک لمبی تاریخ رکھتی ہے۔

دوسری طرف حالیہ انتخابات میں جماعت اسلامی کی کارکردگی پر سوالات اٹھ رہے ہیں۔ ووٹرز کی تعداد تقریباً ساڑھے دس کروڑ تھی۔ اندازاً ساڑھے پانچ کروڑ افراد نے ووٹ کاسٹ کیا۔ جماعت اسلامی (متحدہ مجلس عمل) کو دیے گئے ووٹ پانچ فیصد سے بھی کم تھے۔ ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں ملنے والے ووٹوں سے بھی کم۔ یعنی صرف پچیس لاکھ افراد نے ایم ایم اے کو ووٹ دیا۔ جماعت اسلامی کے مؤسّس اور بیسیوں اہلِ قلم کی تصنیفات اور نگارشات جو لوگوں کے اندر اسلامی شعور بیدار کرنے کا ذریعہ ہیں‘ کا نفوذ اور جماعت کی دعوت کی outreach کے حوالے سے مساعی اپنی جگہ‘ لیکن اس سب کا عملاً جو نتیجہ سامنے آیا ہے وہ واضح ہے کہ جماعت اور تحریک اسلامی کے ووٹ بینک میں اضافے کی بجائے کمی کا رجحان ہے۔ جماعت اسلامی کی سیاسی شکست اور اس کے اسباب کے بارے میں گزشتہ دو اڑھائی ماہ کے دوران بہت سے تجزیئے منظر عام پر آئے ہیں۔ قارئین حکمت قرآن کی یاددہانی کے لیے عرض ہے کہ بانی تنظیم اسلامی اور صدر مؤسس انجمن خدام القرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس زوال کا ذکر بہت پہلے یعنی ۱۹۵۷ء میں جماعت کے ماچھی گوٹھ والے اجلاس میں بالتفصیل کیا تھا‘ جو دس سال بعد ’’تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ کے عنوان سے شائع ہو کر تحریک اسلامی کے وابستگان اور مذہبی حلقوں کے مطالعے میں آیا۔ اڑھائی سو صفحات کی اس تحریر میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے دلائل اور شواہد سے ثابت کیا کہ الیکشن کی دلدل میں اترنے سے قبل جماعت کا طریق عمل دعوت و اصلاح اور تبدیلی و انقلاب کا تھا‘ لیکن بعد ازاں حصولِ اقتدار کے ہدف کے لیے انتخابات میں حصہ لینے سے اس کی قلب ماہیت ہو گئی اور وہ پورے طور پر ایک سیاسی جماعت بن گئی۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کی یہی کیفیت گزشتہ نصف صدی سے چل رہی ہے‘ حالانکہ اس پورے عرصے میں میدانِ انتخابات میں اسے ناکامی کا سامنا رہا ہے۔ پروفیسر ملک محمد حسین صاحب نے ماہنامہ البرہان (بابت ستمبر ۲۰۱۸ء) میں اپنے مضمون میں انتہائی دل گرفتگی کے عالَم میں محاکمہ کرتے ہوئے ’’انتخابات اور جماعت اسلامی‘‘ کے عنوان سے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا: ’ہم جب الیکشن ہارتے ہیں تو صرف ہم ہی بے وقار نہیں ہوتے‘ ہمارے ہاتھوں ہمارا دین بھی بے وقار ہوتا ہے‘۔

البرہان کا محولہ بالا ۱۹۰ صفحات پر مشتمل خصوصی شمارہ انتخابات ۲۰۱۸ء میں جماعت اسلامی اور دوسری مذہبی جماعتوں کی شکست کے اسباب کا تجزیاتی مطالعہ ہے اور یہ عنوان پرچے کے سرورق پر نمایاں طور پر دیا گیا ہے۔ راقم البرہان کے مدیر ڈاکٹر محمد امین اور نائب مدیر پروفیسر ملک محمد حسین کو اس خصوصی شمارے کے محتویات کو افادۂ عام اور بالخصوص تحریک اسلامی کے وابستگان کے سنجیدہ غور و خوض کے لیے جمع اور شائع کرنے پر مبارک باد



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا ہے۔ تمام لکھنے والے ایک خالص دینی وانقلابی تحریک کے ساتھ جدید جمہوری انتخاباتی ڈھونگ کی پیوندکاری کے عبرتناک انجام پر نوحہ کناں ہیں۔ مدیر ڈاکٹر محمد امین نے متعدد مختلف عنوانات کے تحت دینی جماعتوں‘ سیاسی عمل اور حکومتی اقتدار کے مسئلے پر ازحد بصیرت افروز مختصر مگر جامع مضامین لکھ کر اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ انہوں نے بیشتر پہلوؤں کا بہت باریک بینی اور ژرف نگاہی سے تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت اور الیکشنی سیاست کے ذریعے اسلام نہیں آ سکتا۔ اور خاص طور پر جماعت اسلامی کو ’حکمت عملی‘ کے اعتبار سے انتخابات میں بار بار حصہ لینے کی پالیسی پر نظر ثانی کر کے انقلابی اقدامات اٹھانے چاہئیں‘ چنانچہ انہوں نے بجا طور پر کمشنوں اور کمیٹیوں کی کاغذی کارروائی کے بجائے ایک تحریر کا عنوان ’’جماعت اسلامی کو نشاۃِ ثانیہ کی ضرورت ہے‘‘ بنایا ہے۔ البرہان کے اس شمارے کو راقم ایک اہم اور نہایت مفید علمی ڈاکومنٹ سمجھتا ہے‘ لیکن ساتھ ہی حیرت اور افسوس اس امر پر ہے کہ اس کے مشمولات میں کہیں بھی‘ خواہ اشارتاً ہی سہی‘ اس بات کا نوٹس نہیں لیا گیا کہ اس حقیقت کو کہ جماعت دعوت و اصلاح اور تزکیہ و تربیت فرد کی تحریک کی بجائے ایک سیاسی جماعت بن کر رہ گئی ہے‘ آج سے نصف صدی قبل برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی مبسوط تحریروں ’’تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ‘‘ اور اس کے حصہ دوم بعنوان ’’تاریخ جماعت اسلامی کا ایک گمشدہ باب —— نقضِ غزل‘‘ میں فکری و عملی تسامحات کی نشاندہی اور واقعاتی شہادتوں کے ساتھ انتہائی مؤثر انداز میں تفصیلاً پیش کیا ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کے کئی ایڈیشن مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام شائع ہوئے ہیں۔

محترم خلیل الرحمٰن چشتی مذہبی حلقوں میں معروف شخصیت ہیں۔ تحریک اسلامی سے عملاً وابستہ نہایت نیک طبیعت اور گہرے دینی مزاج کے حامل ہیں۔ ’’جماعت اسلامی کی شکست‘ زوال اور عروج کا راستہ‘‘ عنوان کی تحریر انہوں نے سوشل میڈیا پر الیکشن کے نتائج کے فوراً بعد اپ لوڈ کر دی تھی‘ جسے حک و اضافہ کے ساتھ اس پرچے میں شامل کیا گیا ہے۔ ذہین و سنجیدہ قاری یہ تحریر پڑھ کر چشتی صاحب کی نگاہ نکتہ رس‘ فکر بلیغ اور دلسوزی و دردمندی سراہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چونکہ چشتی صاحب خود بہت فعال داعی اور مدرسِ قرآن و حدیث ہیں‘ اس لیے انہوں نے سیاسی شکست کے خارجی اسباب سے زیادہ جماعت اور تحریک کے داخلی محاذ میں انحطاط اور زوال پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اور اس ضمن میں بارہ امور کی نشاندہی کی ہے‘ جن میں کسی بھی اسلامی تحریک اور اجتماعیت کے لیے راہنمائی ہے‘ اگرچہ ان کے ذہن میں جماعت اسلامی کے مخصوص کوائف ہیں۔ یہ بارہ نکات مختصراً درج ذیل ہیں:

۱) جماعت کے رکن کا خالص سیاسی کارکن بن جانا اور اپنے آپ کو قرآن و سنت کے داعی اور مبلّغ کے منصب سے کنارہ کش کر لینا۔ ہفتہ وار درسِ قرآن اور درسِ حدیث کی اہمیت اور باقاعدگی گھٹتی گئی۔ نصابِ رکنیت کے وجوب کو استحباب سے بدلا گیا۔

۲) دستورِ جماعت سے روگردانی۔ حلف رکنیت کے بارے میں غیر سنجیدگی۔ عقیدۂ جماعت اور طریقہ کار سے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے اعتنائی۔شعوری حلف کی بجائے محض ایک رسمی اور کاغذی کارروائی بن جانا۔

۳) جامع توحید کے بارے میں تساہل جو جماعت کے دستور اور لٹریچر میں موجود ہے۔

۴) منصب رسالت کے بارے میں لاعلمی اور سنت کے بارے میں تساہل۔قیادت کا اُمّہات الکُتب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف عدم رجحان۔اتباعِ سنت کے سلسلے میں غیر سنجیدگی۔فقہ کے بنیادی اصولوں سے ناواقفیت جو چاروں فقہاء میں مشترک ہیں۔

۵) توحید حاکمیت۔کارکنان اور قیادت کی توحید حاکمیت سے لاعلمی اور قرآن وسنت میں موجود اس کے علمی دلائل سے عدم واقفیت۔یہی وہ چیز ہے جو جماعت اور تحریک اسلامی کو دیوبندیوں' بریلویوں اور اہل حدیث سلفیوں سے ممتاز اور ممیّز کرتی ہے۔

۶) عدلِ اجتماعی کے جامع تصور سے لاعلمی۔اسلام کے سیاسی' سماجی اور معاشی عدل کے تصورات اور ان کے کارِرسالت کے اہم جزو کے طور پر جاننا اور قرآن کی متعلقہ آیات کے جامع ادراک سے محرومی۔

۷) اسلامی طرزِ حکومت اور سیاسة شرعیة سے ناواقفیت۔رسول اللہ ﷺ اور خلفائے اربعہ راشدین کے طرزِ حکومت سے لاعلمی' جو ماڈرن اسلامی ریاست کے لیے نمونہ اور ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۸) علمی زوال۔قیادت کی اکثریت (الا ماشاء اللہ) وحی الٰہی پر مشتمل اسلام کے دو بنیادی مآخذ (قرآن و سنت) اور اس کی زبان سے لاعلم ہوتی جارہی ہے۔شوریٰ میں علماء کی مقدار اور معیارِ علمی میں کمی۔

۹) فکری زوال۔لوگ سیاست اور سیاسی شکست کے علاوہ کچھ غور ہی نہیں کرتے۔

۱۰) عملی تربیت سے بے اعتنائی۔اسلامی تربیت نیک لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا حکم اسی لیے ہے۔کوئی ہو جو غیبتوں پر ٹوک دے۔کوئی ہو جو بتائے کہ تم نے نماز اطمینان سے نہیں پڑھی۔کوئی ہو جو بتائے آپ نے سجدہ صحیح نہیں کیا۔کہنی تک ہاتھ زمین پر کیوں پھیلائے؟ نماز کے بعد کچھ دیر بیٹھ کے مسنون اذکار کیوں نہیں کیے؟

۱۱) شرعی عقل واستدلال سے گریز' جس کے نتیجے میں لوگ اعتزال اور غامدیت کی طرف رجوع کر رہے ہیں' جو سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام کے لیے سرگرم ہیں۔

۱۲) روحانی تربیت سے گریز۔'نبوی روحانیت' کے فروغ کی بجائے روایتی تصوف کے احیاء کی کوشش' مولانا مودودی کے منہج سے انحراف ......بعض نے ذکر کے غیر مسنون طریقے اور بعض نے مزاروں پر چادریں چڑھانے کی بدعت اختیار کر لی۔مولانا مودودی اس قسم کی حماقتوں سے کوسوں دور تھے۔قرآن مجید کے مخصوص حصوں اور مسنون دعاؤں کی تحفیظ سے ارکان وکارکنان کو روحانی طور پر بلند کیا جا سکتا تھا' لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

چودہ صفحات پر مشتمل محترم خلیل الرحمٰن چشتی کی مبسوط تحریر کی درج ذیل سطور خاص طور پر لائق توجہ ہیں جو



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے وسیع علم، تقویٰ، بصیرت اور بالغ نظری پر دال ہیں:

''میرے نزدیک سیاسی شکست کی دو کوڑی کی اہمیت نہیں۔ البتہ مجھے فکر یہ ہوتی ہے کہ کہیں نظریاتی، فکری، علمی اور روحانی شکست نہ ہو۔ میری گفتگو کا موضوع دراصل یہی دوسری شکست ہے، جس کے بارے میں سوچنا اور غور کرنا ضروری ہے، اور ایک طویل منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اب روایتی تھوک پالش سے کام نہیں چلے گا۔ انقلابی فیصلے کرنا ہوں گے۔'' (صفحہ ۶۵)

ان الفاظ میں چشتی صاحب نے اپنا دردِ دل اور اندیشہ کھول کر رکھ دیا ہے، جس کے تدارک کے ضمن میں مداہنت اور سطحیت پر گرفت بھی انہوں نے بڑے واضح اور عام فہم الفاظ میں بیان کی ہے، تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔ لیکن راقم بڑے ادب کے ساتھ اپنا احساس بیان کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ نظریاتی، علمی اور فکری انحطاط اور شکست خوردگی کا عمل آج نہیں بلکہ پچھلی صدی کی ساٹھ کی دہائی سے شروع ہو گیا تھا۔ مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ ہر دو کی قرآنی اور ٹھیٹھ دینی مفاہیم (notions) پر مبنی ''اسلامی ریاست'' نامی کتابیں پڑھ ڈالیے، آپ کو فکری و نظری خیالات اور جماعت اسلامی کی اسی وقت سے عملی پالیسیوں اور اقدامات میں نمایاں فرق و تعارض نظر آئے گا۔ مولانا مودودیؒ کی کتاب کے ٹائٹل صفحہ پر یہ الفاظ جلی حروف میں دیے گئے ہیں ''اسلامی ریاست ۔ فلسفہ، نظام کار اور اصولِ حکمرانی، مؤلفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی، مرتبہ خورشید احمد۔ اس تالیف کی طباعت ۱۹۶۲ء اور ساتویں (جس کی کاپی اس وقت میری میز پر زیر مطالعہ ہے) اشاعت جنوری ۱۹۷۹ء کی ہے۔ مرتب کی حیثیت میں پروفیسر خورشید احمد صاحب نے ہر باب کے آغاز میں تعارفی کلمات اور فٹ نوٹس کی شکل میں بہت مفید معلوماتی لوازمہ ۷۰۰ صفحات کی اس ضخیم کتاب میں مہیا کیا ہے۔ اسلامی سیاسی اور ریاستی امور اپنی پوری ہمہ گیر جامعیت (نظری و تاریخی) کے ساتھ اور آخری حصے میں اسلامی انقلاب کی راہ اور اسلامی تحریک کا مخصوص طریق کار سمیت اس کتاب میں قرآن و سنت اور ٹھوس تاریخی حقائق کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

قائد تحریک مولانا مودودیؒ اور سترہ اٹھارہ سال ان کے دست راست رہنے والے مولانا امین احسن اصلاحیؒ دونوں متفق ہیں کہ اسلام میں حاکم اور شارع اللہ ہے، یعنی اس کی تکوینی اور تشریعی دونوں طرح کی حاکمیت کا اقرار کیا جائے — زمین میں جو لوگ اللہ کے قانون کو خود تسلیم کرنے کے بعد اس کو زمین میں نافذ کرنے کے لیے اٹھتے ہیں، وہ اصلی و حقیقی حاکم کے نائب قرار پاتے ہیں۔ اور یہی مفہوم خلافت المسلمین یا خلافتِ اسلامیہ کا ہے۔ چنانچہ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں یہ بات یوں بیان کی گئی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْــــًٔا ۭ﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے بھلے کام کیے، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور ان کو زمین میں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح خلافت دے گا جس طرح اس نے ان کے اگلوں کو دی تھی‘ اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو اُس نے ان کے لیے پسند کیا ہے‘ اور وہ ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کے بعد اس کو لازماً امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔‘‘

قومیت کی بنیاد کے حوالے سے بھی ان میں کامل اتفاق ہے۔ اسلام میں قومیت کی بنیاد خود اسلام ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی ریاست پورے طور پر ایک نظریاتی (ideological) ریاست ہے۔ اسی نظریے یعنی اسلام کی بنیاد پر وہ اپنی ریاست میں شہریت کی دو قسمیں قرار دیتا ہے‘ ایک مسلم اور دوسرے ذمی۔ چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

’’چونکہ راست بازی وحق گوئی اسلام کی اصل روح ہے اس لیے وہ بغیر کسی مکر وفریب کے صاف صاف شہریت کی اس تقسیم کو بیان بھی کر دیتا ہے۔ دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے یہ طریقہ اختیار نہیں کرتا کہ زبان سے اپنے سب شہریوں کو یکساں قرار دے اور عمل میں ان کے درمیان نہ صرف تمیز کرے بلکہ ان کے ایک عنصر کو انسانی حقوق تک دینے میں بے انصافی سے کام لے‘ جیسا کہ امریکہ میں حبشیوں کا اور روس میں غیر اشتراکیوں کا اور تمام دنیا کی لادینی جمہوریتوں میں اقلیتوں کا حال ہے۔‘‘ (اسلامی ریاست‘ صفحہ ۳۵۱)

ایک مستفسر کے سوال کہ کیا اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں مثلاً عیسائی‘ یہودی‘ جین‘ پارسی‘ ہندو وغیرہ کو مسلمانوں کی طرح پورے حقوق حاصل ہوں گے؟ کا واضح اور دوٹوک جواب جو ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۵۷‘ عدد ۱‘ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں مولانا کی طرف سے دیا گیا اور جو ’’رسائل ومسائل‘‘ حصہ چہارم میں بھی شائع ہوا‘ یہ تھا:

’’اسلامی مملکت میں غیر مسلم گروہوں کو تمام مدنی حقوق (Civil Rights) مسلمانوں کی طرح حاصل ہوں گے‘ مگر سیاسی حقوق (Political Rights) مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے‘ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں ریاست کے نظام کو چلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان اس بات پر مامور ہیں کہ جہاں بھی ان کو حکومت کے اختیارات حاصل ہوں وہاں وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلائیں۔ چونکہ غیر مسلم نہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اس کی اسپرٹ کے مطابق ایمان داری سے کام چلا سکتے ہیں اس لیے وہ اس ذمہ داری میں شریک نہیں کیے جا سکتے۔ البتہ نظم و نسق میں ایسے عہدے ان کو دیے جا سکتے ہیں جن کا کام پالیسی بنانا نہ ہو۔ اس معاملے میں غیر مسلم حکومتوں کا طرزِ عمل منافقانہ ہے اور اسلامی حکومت کا طرزِ عمل صاف صاف ایماندارانہ۔ مسلمان اس بات کو صاف صاف کہتے ہیں اور اس پر عمل درآمد کرنے میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی شرافت اور فراخ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔...... اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم اس حالت میں دیا گیا ہے جبکہ یا تو وہ مفتوح ہوتے ہیں یا کسی معاہدے کی رو سے جزیہ دینے کی واضح شرط پر اسلامی حکومت کی رعایا بنائے گئے ہوں۔ پاکستان میں چونکہ یہ دونوں صورتیں پیش نہیں آئی ہیں اس لیے یہاں غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنا میرے نزدیک شرعاً ضروری نہیں ہے۔‘‘

قرآنی مسلّمات پر مبنی بعینہٖ یہی موقف تحریک اسلامی کے اکابرین سے فیض یافتہ صدر انجمن اور بانی تنظیم



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے بصراحت اور شدومد کے ساتھ اپنے خطابات اور تحریروں میں پیش کیا۔۲۱۲ صفحات پر مشتمل کتاب ''خطباتِ خلافت'' کے انجمن خدام القرآن لاہور کی طرف سے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں' جس میں انہوں نے خلافت کی اصل حقیقت اور اس کا تاریخی پس منظر' اور عہدِ حاضر میں اس کے دستوری وقانونی اور معاشی ومعاشرتی ڈھانچے اور اس کے قیام کے لیے سیرتِ نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کی تشریح کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودیؒ' مولانا اصلاحیؒ اور جماعت اسلامی کے چند دوسرے اہلِ قلم کی ابتدائی دور کی نگارشات میں تو خلافت کا قرآن کی روشنی میں نظری پہلو تو بیان میں آیا' لیکن بعد کی کئی دہائیوں میں دعوتی وسیاسی تحریکی کاموں میں اس کا استعمال تقریباً متروک ہوگیا۔ اس اہم ترین قرآنی اصطلاح اور تصور کو بڑے پیمانے پر ایک مہم کے طور پر خواص وعوام میں متعارف کرانے کا credit یقیناً ڈاکٹر اسرار احمدؒ کو جاتا ہے' جنہوں نے خلافت کے عالمی سطح پر قائم ہونے کی نوید کے ضمن میں صحیح مسلم کی حضرت ثوبانؓ سے مروی حدیث اور مسند احمد بن حنبل کی حضرت مقدادؓ بن الاسود سے بیان کردہ روایت بڑے پیمانے پر اپنی تقاریر میں بیان کیں اور شائع کر کے پھیلائیں۔ چنانچہ احادیث مبارکہ کی پیشین گوئیوں کو سامنے رکھا جائے تو اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ کُل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی خلافت کا حق دار کسے ٹھہرایا ہے:

> ''اللہ تعالیٰ نے یہ خلافت پوری نوعِ انسانی کو عطا کی ہے۔ چنانچہ نوعِ انسانی کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ﴾ (البقرۃ: ۳۰) ''اور (یاد کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا تھا بیشک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمیت کو خلافت دے دی گئی' لیکن...... (اور یہ ''لیکن'' بہت بڑا ہے)...... نسل آدم میں سے جو خودمختاری کا دعوے دار بن کر بغاوت کی روش اختیار کر لے وہ باغی ہوگیا اور باغی کو زندہ رہنے کا بھی حق نہ ہونا چاہیے۔ تاہم اس کی کم سے کم یہ سزا تو بالکل منطقی ہے کہ اس کا حقِ خلافت سلب ہوجائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر تو خلافت پوری نوعِ انسانی کو عطا کی تھی' لیکن اب انسانوں میں خلافت کے حق دار صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کے سامنے سراطاعت خم کر دیں۔ ان کا یہ رویہ ''اسلام'' ہے اور وہ خود مسلم ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں گردن نہادن (گردن جھکا دینا) یعنی to surrender یا to submit۔
>
> یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اب انسانی حاکمیت کے دعوے دار بن گئے ہیں' مسلمانوں کو ان کی سرکوبی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹) (مطلب یہ ہے کہ یہ باغی ہیں) ''ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ وفساد فرو ہو جائے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لیے ہوجائے۔''
>
> جہاد وقتال کے جواز کی توجیہہ یہی ہے۔ حاکمیتِ اعلیٰ سے بغاوت کی اس سزا کو دورِ حاضر کا انسان بھی تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ جہاد وقتال کی اس توجیہہ کو وہ بھی قبول کرنے پر مجبور ہے اور اسی توجیہہ کی بنیاد پر یہ کڑوی گولی دورِ حاضر کا انسان اپنے حلق سے اتار سکتا ہے۔ تاہم جب تک مسلمان باغیوں کا فتنہ فرو



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے قابل نہیں، باغی اپنی اچھل کود دکھا سکتے ہیں۔ اصولاً تو اس وقت بھی ان کا حق خلافت سلب ہو چکا ہے اور جائز طور پر خلافت اس وقت بھی صرف مسلمانوں کا حق ہے۔'' (خطباتِ خلافت، صفحہ ۷۷، ۷۸)

قارئین کرام! آپ نے سطور بالا میں حاکمیتِ الٰہی اور خلافتِ اسلامیہ کے بارے میں دین کے متوارث و متواتر تصورات پڑھ لیے ہیں۔ ان کی روشنی میں آپ عالمی ترجمان القرآن کے ماہ ستمبر اور اکتوبر کے ''اشارات'' پر نظر ڈالیں تو مجھے یقین ہے کہ آپ کے سامنے بالکل مختلف تصویر آئے گی، جس میں کم از کم راقم کو واضح اور جوہری فکری انحراف نظر آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسے میری کور چشمی اور نافہمی یا کج فہمی پر محمول کیا جائے، لیکن میں پوری دیانت داری سے یہ خیال رکھتا ہوں کہ ان دونوں تحریروں (جو تحریک اسلامی کے کم وبیش اسی پچاسی سالہ پرانے اور اہم ترین دینی ماہنامے میں پہلی ادارتی تحریر ہونے کی حیثیت میں انتہائی اہم ہیں) میں ہر دو جگہ عنوان میں 'خلافت جمہور' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو بلاوجہ اور الل ٹپ نہیں ہیں۔ ان تحریروں کو قلمبند کیا ہے جماعت کے سرکردہ دانشور پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد نے جو بلاشبہ صاحبِ فکر ونظر بھی ہیں اور مخلص وباصلاحیت بھی۔ لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کا فکر، بظاہر اصیل و ماثور اسلامی مفاہیم سے تمسک کی بجائے مغرب اور جدیدیت کی تقلید کی لہر کے زیر اثر 'خلافت جمہور' کے تحت کثیر المذاہبی پاپولزم (populism) کی طرف شفٹ ہو رہا ہے، اور یہ بجائے خود ایک طرح سے سیکولرائزیشن اور ہیومن ازم کی طرف جھکاؤ کا اظہار ہے۔

'خلافت جمہور' کے الفاظ لامحالہ ذہن کو جمہوریت، جمہوری ریاست، قومی ریاست اور اکثریت بمقابلہ اقلیت کی جانب منتقل کرتے ہیں۔ مذہبی اور کلچرل تکثیریت (pluralism) کا تصور بھی اس کا لازمی عنصر ہے۔ جدید مغربی تہذیب اور الحادی فکر کے گرویدہ حضرات ایمان و اسلام کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان تفریق کی بجائے 'سب ایک' (inclusion) اور 'inclusive' اپروچ کو ترجیح دیتے ہیں۔ درآں حالانکہ قرآن کریم لوگوں کے درمیان ایمان وعقیدے کی بنیاد پر دوٹوک امتیاز کرتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ②﴾ (التغابن)

''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، سو تم میں سے کچھ تو کافر ہیں اور کچھ ایمان والے ہیں۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔''

قرآن کی اس آیت میں انسانوں کے درمیان واضح ثنویتی تقسیم (Binary division) ملتی ہے اور اس سے بھی جدید ذہن اباء کرتا ہے۔ سیکولرازم اور لبرل ازم کے قالب میں جدید دہریت اور مادہ پرستانہ پیراڈائم میں سوچنے والا ذہن اس نظریاتی اور فکری تفریق و امتیاز کو ختم کر کے ایک اشتمالی (inclusive) اجتماعیت کا قائل ہے۔ مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا پورا احساس ہے لیکن پھر بھی مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ لفظ 'جمہور' میں اسی نظریے کی خوبو پائی جاتی ہے۔ جبکہ قرآن کی تصریحات بسلسلہ تخلیق آدم اور بشریات کے مطابق انسان روزِ اول سے دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ڈاکٹر انیس احمد کے 'اشارات' کے مندرجات کا بلا مبالغہ راقم نے closely اور بالاستیعاب مطالعہ متعدد بار کیا ہے' لیکن اس کے باوجود خلافت جمہور کے تصور کو بڑی حد تک گنجلک اور مبہم پایا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ اس عنوان کے تحت ایک بالکل نیا اسلامک پولیٹیکل بیانیہ (narrative) پیش کر رہے ہیں' جس کے کئی قضایا میں نہ صرف داخلی تضاد اور تناقض ہے بلکہ کئی جگہوں پر عبارت کا مفہوم تین چار بار پڑھنے پر بھی واضح نہیں ہو پاتا۔ جماعت کے طریق سیاست اور الیکشن کے زمینی حقائق کو جس طرح وہ توحید اور ایمان کی روشنی میں بیان کرتے ہیں وہ سارا معاملہ بڑا انمل بے جوڑ لگتا ہے یا غیر حقیقی آئیڈیل ازم کا اظہار۔ مندرجہ ذیل پیراگراف ملاحظہ فرمائیے:

۱: ''خلافت جمہور اور مغربی جمہوریت کا جوہری فرق ہی یہ ہے کہ خلافت اللہ کی ہدایت کی بالادستی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور اس میں کسی فرد کی آمریت کی کوئی گنجایش نہیں ہوتی اور نہ اس میں اکثریت کے نام پر استبداد کو قبول کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت جمہور کا مطلب یہ ہے کہ تمام معاملات میں فیصلے آنکھیں بند کر کے محض افراد کے ووٹوں کی کثرت پر نہ کیے جائیں بلکہ جس اصول پر فیصلہ ہو وہ یہ ہے کہ انسانیت کا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے۔ گویا ووٹ کا استعمال لازماً کیا جائے لیکن ووٹ اپنی قوت قرآن وسنت سے حاصل کرے اور اس کا تابع ہو۔'' (شمارہ اکتوبر نومبر ۱۰)

۲: ''خلافتِ جمہور میں کسی پیشہ ورانہ حزبِ اختلاف کا تصور نہیں پایا جاتا کہ اسے لازماً حزبِ اقتدار کی ہر بات کی مخالفت ہی کرنی ہے بلکہ کسی بھی بات کی صداقت براہِ راست قرآن وسنت کی بنیاد پر مان لینے کا نام نیابت وخلافت ہے۔ خلافتِ جمہور کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت بجائے خود کوئی حتمی حیثیت نہیں رکھتی' البتہ شریعت کے ذریعے اصولوں کی بنیاد پر تبدیلی لانے کی جدوجہد آئینی ذرائع سے کی جائے تو وہ خلافتِ جمہور کے قیام کا ذریعہ بن سکتی ہے۔'' (ایضاً)

۳: ''خلافتِ جمہور کا مطلب وہ نظام ہے جس میں احتساب پر عمل کیا جار ہا ہو۔ قائد سے لے کر ایک عام کارکن تک کا احتساب اجتماعی ضوابط کی روشنی میں کیا جاسکتا ہو اور کیا جا رہا ہو۔ خلافتِ جمہور کا مطلب یہ ہے کہ ملک سے اس لادینی نظام کو ختم کیا جائے جس میں دین ودنیا میں تفریق کر کے خالق کائنات کو مسجد تک محدود کر دیا جاتا ہے اور مسجد سے باہر مادی قوتوں اور عوام کی خوشی اور خواہشوں کو اپنا رب بنالیا جاتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسانی فکر کے تمام خود ساختہ بتوں کو پاش پاش کرنے کے بعد بے لوث اور ایثار وقربانی کے جذبے سے سرشار' باصلاحیت' خدمت کرنے والوں کو مناصب کے لیے نامزد کیا جائے۔ خلافتِ جمہور کا مطلب یہ ہے کہ انفرادیت پسندی' قومیت اور صوبائی اور لسانی عصبیت جیسے تمام بتوں سے معاشرے کو پاک کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات اور شریعت کو زندگی کے تمام معاملات میں نافذ کر دیا جائے۔'' (ایضاً' صفحہ ۱۱)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴: ’’خلافتِ جمہور کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر عمل کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہونا چاہیے۔ اگر وہ ہمارے کام سے خوش ہو کر لوگوں کے دلوں میں دین کی دعوت کے لیے جگہ پیدا کر دے‘ اور جو کل تک مخالف تھے ان کو ولی بنا دے تو یہ اس کا کرم اور رحمت ہے۔ ہمارا کام تو اس کام کے بتائے ہوئے طریقے سے‘ اس کے بھیجے ہوئے نبی برحق ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی اطاعت و بندگی کی شہادت پیش کرنا ہے۔ خلافتِ جمہور کا ایک لوازمہ یہ ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہر دور میں ایسی حکمت عملی بنائی جائے جس کی بنیاد حقیقت پسندی اور افراد کی سیرت سازی پر ہو۔ تحریک اسلامی کا اصل سرمایہ اس کے کارکن ہیں۔ اگر وہ تربیت کے مراحل سے گزر کر معاشرے میں کام کریں گے تو ان کی مالی ایمان داری‘ امانت اور بے لوثی و بے غرضی‘ ان کی سادگی‘ ان کا حق کی حمایت کرنا اور ظلم کی مخالفت میں سب سے آگے ہونا‘ ان کی زبان سے ایک لفظ ادا کیے بغیر خود ان کا عمل اور کردار دعوت کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائے گا۔ اسلام وہ واحد نظام ہے جس کی دعوت سیرت و کردار دیتے ہیں۔ اس لیے تحریک کا سارا زور تعمیر کردار کے لیے مطالعے کے حلقے‘ رفاہِ عام کے کام‘ مقامی افراد کے مسائل کے حل کی کوششوں کی شکل میں ہو‘ تو اس کے نتائج سامنے آنے یقینی ہیں۔‘‘ (ایضاً‘ صفحہ ۱۳)

۵: ’’جو اسلامی تحریکات اپنے قیام کا مقصد اور اپنی سرگرمیوں کا ہدف حاکمیتِ الٰہی کا قیام قرار دیتی ہیں‘ ان کے لیے قرآن کا دیا ہوا اصول یہی ہے کہ وہ حاکمیتِ الٰہی کے قیام کے لیے ایسے افراد تیار کریں جو چاہے تعداد میں کم ہوں لیکن اپنے ایمان اور کردار میں غیر متزلزل اور میدانِ کارزار میں چٹان کی طرح جم جانے والے ہوں‘ جو سر تو دے دیں لیکن ان کا سر صرف اللہ کے سامنے جھکے اور ایمانی اصولوں پر کبھی سمجھوتا نہ کریں۔ تحریکاتِ اسلامی کا اصل سرمایہ یہی تربیت یافتہ افراد ہوتے ہیں‘ جو اللہ کے حضور شب گزاری کے ساتھ ساتھ کارزارِ حیات میں‘ رزم حق و باطل میں فولاد کی طرح ہوں۔ (ایضاً صفحہ ۸)

۶: ’’ہدایت ربانی اور مکمل دین کے اظہار اور حق کو قائم کرنے کے لیے محض عددی قوت یا عوامی احتجاج کی طاقت (street power) کا استعمال کامیابی کی شرط نہیں ہے۔ تحریکی کارکنوں کی وہ کم تعداد بھی جو قوتِ کردار سے آراستہ ہو‘ باطل اور طاغوت کے بڑے سے بڑے لشکر پر غالب آسکتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ معرکہ بدر ہو یا غزوۂ احزاب‘ اہل ایمان کی کم تعداد اپنی قوتِ کردار اور اعلیٰ تربیت یافتہ اخلاق کی بنا پر منکرینِ حق کی کثرتِ تعداد کے باوجود ان پر غالب آئی۔‘‘ (ایضاً)

اوپر دیئے گئے پیراگراف نمبر ا میں ڈاکٹر انیس احمد نے واضح کیا ہے کہ خلافت اللہ کی ہدایت کی بالادستی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے‘ جس کا لامحالہ تقاضا یہ ہے کہ ملک کی آبادی کی اکثریت میں اللہ کی ہدایت یعنی قرآن وسنت اور روایاتِ اسلامی کے بارے میں گہرا یقین اور شعوری ایمان وایقان پیدا کیا جائے تاکہ صحیح معنوں میں حاکمیت الٰہی کا نفاذ بالفعل عمل میں آئے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ جن اصولوں کے تحت جدید جمہوریت میں مختلف ممالک میں انتخابات منعقد ہوتے ہیں وہاں پارلیمنٹ اور پالیسی ساز اداروں میں ناگزیر طور پر ووٹوں کی تعداد ہی فیصلہ کن



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ پیراگراف نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں بعض جملے ایسے ہیں جن کا مفہوم متعین کرنا مشکل کام ہے' کیونکہ ان میں ابہام پایا جاتا ہے۔ وہ ایک طرف یہ چاہتے ہیں کہ فیصلے ووٹوں کی کثرت کی بنیاد پر نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات و احکام کی روشنی میں ہوں۔ دوسری طرف وہ ووٹ کے استعمال کو لازمی قرار دینے کے ساتھ ہی اسے قرآن وسنت کے تابع بھی رکھنا چاہتے ہیں' اور یہاں تک لکھتے ہیں کہ 'جمہوریت بجائے خود کوئی حتمی حیثیت نہیں رکھتی'۔ الغرض ان دونوں میں متضاد اور ناممکن العمل صورت پیش کی گئی ہے۔ اور راقم اس تعارض و تناقض کو رائج الوقت جمہوری practices and norms کے تناظر میں سمجھنے سے بالکل قاصر ہے۔ اگلے تین پیراگرافوں (نمبر ۳' ۴' ۵) میں مثبت طور پر تحریک اسلامی کے کارکنوں' جو غلبہ دین کے لیے سعی و جہد کر رہے ہیں' کی نظریاتی' ایمانی اور اخلاقی تربیت اور ذہن سازی پختہ بنیادوں پر کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ڈاکٹر انیس احمد نے انتہائی اہم' مفید اور مؤثر جملے تحریر کیے ہیں جو یقیناً خود عملی طور پر تحریکی و دعوتی عمل اور ہمہ جہتی احیائی مساعی میں شامل فرد ہی لکھ سکتا ہے۔ یہ سطور بہت ہی قیمتی ہیں اور میرا احساس ہے کہ البرہان (شمارہ اکتوبر) میں اکثر لکھنے والوں نے بھی تحریک اسلامی کی قیادت کو واضح طور پر اور بھرپور انداز میں اسی جانب توجہ دلائی ہے۔ ملک سے فکری سطح پر لادینی نظام اور سوچ کو ختم کرنے کی بات پیراگراف نمبر ۳ میں کی گئی ہے اور اس کے ذیل میں انفرادیت پسندی' سیکولرازم' لبرل ازم اور دوسرے خود ساختہ علمیت کے اعتبار سے ازحد بودے مکاتب فکر کا ذکر کیا ہے' جن کے اثر ونفوذ کو معاشرے میں بالعموم اور تعلیم یافتہ طبقے میں بالخصوص ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسری جانب خود دینی حلقوں میں بعض سکالرز بزعم خویش علمی بنیادوں پر اظہار دین حق اور اقامت دین کے پولیٹیکل ورژن کو چیلنج کرتے ہوئے اسلامی غلبے کے پراجیکٹ کی تعبیر خالص غیر سیاسی انداز میں بیان کرتے ہیں' اور اس طرح حاکمیت الٰہی کے مشروع تصور کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جامعہ ازہر قاہرہ کے سکالر شیخ اسامہ السید محمود ازہری (پ:۱۹۷۶ء) نے اپنی تصنیف ''**الحق المبین فی الردّ علی من تلاعب بالدین**'' میں یہی موقف اختیار کیا ہے' اور اپنے تئیں اسلام کی صحیح' معتدل اور متوازن تفہیم کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب ہٰذا کی اردو میں تسہیل و تفہیم ماہنامہ 'الشریعہ' کے تازہ شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ مصنف کے خیال میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور سید قطبؒ دونوں نے مسئلہ حاکمیت الٰہی کو اصولِ ایمان سے سمجھ کر عقیدے کے باب میں ایک امر کا اضافہ کیا ہے اور فہم وحی کے سلسلے میں خود اپنے حس وحدس اور اپنے تصورات پر بھروسہ کیا ہے۔ معلوم نہیں فاضل مصنف کا ذہن اقامتِ دین اور احیائے اسلام کی جدوجہد کو حقیقی وشعوری ایمان کے لازمی تقاضے کے طور پر کیوں نہیں دیکھ سکتا' جس کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں جابجا تاکیداً ملتا ہے۔ افسوس کہ جامعہ ازہر کے سکالر کو مغربی دین دشمن اور صیہونی طاقتوں کے ایجنٹ حسنی مبارک اور سیسی کے مصر میں رہتے ہوئے اسلامی غلبے کے پروجیکٹ کی 'حقیقی' صورت صرف اکیڈمک انداز میں یہی نظر آئی کہ...... 'پہلے علوم



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومناہج اوراس کی تنظیرات کو وجود میں لایا جائے اور پھراس کے ایسے عملی پروگرام ہوں جو تنظیمات اورادارے کی شکل میں تبدیل ہو جائیں......جن میں مقاصدِ شریعت کی روح دوڑ رہی ہو۔(الشریعہ‘ستمبر۔اکتوبر۲۰۱۸ء‘صفحہ ۵۹)

ڈاکٹر انیس احمد کی خدمت میں عرض ہے کہ موجودہ ملکی و عالمی تناظر میں ہیومن ازم (Humanism) کی یلغار ہم پر چاروں طرف سے ہے۔ ہمارا کلمہ توحید اس عالمی شرکیہ تصور کے مقابلے میں ایک ’کھلے انکار‘ کا نام ہے۔انسان پرستی یا انسانی خدائی (ہیومن ازم) ایک پورے پیکج کا نام ہے۔اس کے خلاف ہم جب تک ایک مکمل اباء کا رویہ اختیار نہیں کرتے‘ خلافت جمہور کا تصور صرف ہماری تحریروں اور جریدوں میں تو رہے گا لیکن حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے لیے ہمیں بیرونی اور اندرونی دونوں محاذوں پر سخت محنت کر کے ان کے مواقف کی تردید وابطال کا کام کرنا ہے۔بیرونی حملہ ہماری تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیوں میں اساتذہ اور میڈیا کے ذریعے مذہب دشمن افکار ونظریات کی شکل میں سیکولرازم اور ہیومن ازم کے عنوانات کے تحت سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے‘ جب کہ داخلی حملے کی صورت یہ ہوگی کہ خود احیائی تحریکوں کے بعض سرکردہ و متحرک عناصر اسامہ السید محمود ازہری جیسا موقف اپنا کر انقلابی احیائی جماعتی جدوجہد سے پسپائی اختیار کر لیں‘ اور صرف ’’حلقات‘‘ کی شکل و اجتماعیت میں علمی وفقہی درس وتدریس اور ریسرچ کو ہی اصل اور کل کام سمجھنے لگیں۔یعنی ’’حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے !‘‘

پیراگراف نمبر ۶ میں ڈاکٹر انیس صاحب نے ’عوامی احتجاج کی طاقت (street power)‘ کے الفاظ استعمال کر کے قارئین کے اذہان لازمی طور پر نفاذِ شریعت اور غلبہ دین کے لیے انتخابات سے مختلف احتجاجی اسٹریٹجی کی طرف منتقل کر دیے ہیں‘ جس کی نتیجہ خیزی سے فی زمانہ کوئی بھی پڑھا لکھا شخص انکار نہیں کر سکتا‘ اور جسے سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کئی دہائیوں پر محیط اپنی دعوتی واحیائی مساعی کے دوران دلائل اور عصری شواہد کے ساتھ علماء کرام اور دینی جماعتوں اور تحریکوں کے قائدین کے سامنے پیش کرتے رہے۔اس موضوع پر خطابات اور تقاریر کے علاوہ ان کی مبسوط اور مختصر دونوں طرح کی تحریریں طبع شدہ موجود ہیں۔تحریک اسلامی کے committed اور ڈسپلنڈ کارکنان کی تعداد اور ان کا جوش وجذبہ تبدیلی نظام میں تائید ایزدی کے ساتھ یقیناً مؤثر کردار ادا کرتا ہے‘ اور عالمی استعماری قوتوں کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔جبکہ صرف سیاسی جِدّوجُہد اور اسمبلیوں میں پہنچ کر اقتدار میں آنے کا عمل سطحی رہتا ہے اور ملکی وغیر ملکی اسلام دشمن قوتیں انہیں جلد ہی ایوانِ اقتدار سے باہر کر دیتی ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلامی تحریکات کی قیادتوں کی ایمان ویقین کے ساتھ صحیح منہج کی طرف راہنمائی فرمائے۔آمین! ❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔



© rasailojaraid.com